# ادب اور اخلاقیات: ارتباط و اختلاف

ڈاکٹر اصغر علی بلوچ

صدر شعبہ اردو

جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

# LITERATURE AND ETHICS
## HARMONIES AND DIFFERNCES

Asghar Ali Baloch, PhD
Chairman Department of Urdu
GC University, Faisalabad

**Abstract**

Literature and ethics are two different realms of knowledge but their harmonious relationship and synchronism establish the enduring literary values. Amplification or debasing of one at the cost of other diminishes the role and significance of both. The coerce expression of ethical values transforms it into a piece of propaganda and makes the literature jugglery of words divesting it from social, religious and contemporary imperatives. Hence there is a great need that equilibrium and evenness be maintained between the aesthetic and ethical considerations so that artistic and cultivated incorporation of ethical values may enrich the significance and meaningfulness of literature.

**Keywords:**

افلاطون، زیوس، مولانا الطاف حسین حالی، ڈاکٹر اعجاز حسین، سید احتشام حسین،
ڈاکٹر سجاد باقر رضوی، ڈاکٹر جمیل جالبی، اردو شاعری

دنیا کی ہر زبان کے شعر و ادب میں اخلاقی موضوعات کو بیان کیا گیا ہے۔قدیم یونانی عہد سے لے کر جدید معاصر ادب تک کسی نہ کسی صورت میں فلسفۂ اخلاق کو بیان کرنے کا رجحان اس امر کا غماز ہے کہ ادب کا بنیادی وظیفہ انسان، انسانی اقدار، روایات اور عقائد کا اظہار ہے۔

ادب اور اخلاق کے باہمی تعلق پر غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ بنیادی انسانی عقائد، میلانات، تصورات اور افکار کو پیش کرنے میں مذہب کا عمل دخل خاصا اہم کردار ادا کرتا ہے۔ بقول ڈاکٹر اعجاز حسین:

> ''شاعری برابر مذہب کی خدمت کرتی رہی، اس کے رہنماؤں کی تعریف، اس کی لڑائیوں کا حال، اس کے قوانین کی اشاعت شاعرانہ انداز میں رنگین اور دلچسپ طریقے سے ہمیشہ دنیا کے سامنے پیش کرتی رہی ہے۔''(۱)

افلاطون نے جس بنیاد پر شاعر کو اپنی مثالی ریاست سے دربدر کرنے کا حکم دیا دراصل وہ بنیاد بھی مذہبی، اخلاقی اور فلسفیانہ ہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ افلاطون کا عہد دیوی، دیوتاؤں کے خلاف کسی قسم کی بہتان تراشی کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ ڈاکٹر سجاد باقر رضوی کے بقول:

> ''افلاطون نے شاعری پر دو حوالوں سے اعتراض کیے۔ فلسفیانہ بنیاد پر کہ وہ حقیقت سے دو قدم پیچھے ہوتی ہے اور اخلاقی بنیاد پر کہ وہ جذبات کو کچلنے کے بجائے انہیں مشتعل کرتی ہے لہٰذا مخرب اخلاق ہوتی ہے۔ افلاطون کے زمانے سے لے کر آج تک شاعری پر اعتراضات انہی دو حوالوں سے ہوتے رہے ہیں۔''(۲)

شاعری میں فلسفیانہ اور اخلاقی عناصر کی موجودگی اور غیر موجودگی ہمیشہ نقد و نظر کا باعث رہی ہے۔ ہر قابلِ ذکر فکری و ادبی تحریک میں اس موضوع کی مخالفت اور موافقت میں مباحث موجود ہیں۔ جہاں تک مخالفت کا تعلق ہے تو وہ زیادہ تر اسلوب، طرزِ اظہار اور غایتی و معیاری بنیادوں پر کی گئی ہے اور جہاں تک موافقت کا سوال ہے تو وہ ہر مکتبۂ فکر میں معمولی فرق کے ساتھ پائی جاتی ہے اور مشترک اقدار پر جملہ فلسفہ ہائے نظر میں اتفاق موجود ہے۔

اپنے پیش رو سقراط کی طرح افلاطون اچھائی اور خیر ہی کو سب سے بڑی نیکی قرار دیتا ہے۔ وہ مثالی ریاست سے شعرا کو اس لیے بے دخل کرتا ہے کہ وہ دیوی، دیوتاؤں کو جھوٹا اور جھگڑالو دکھاتے ہیں اور یوں عوام کے بنیادی عقائد کو مجروح کرتے ہیں یہاں تک کہ زیوس جیسا شاعر بغیر کسی اخلاقی اصول کے جسے چاہتا ہے خوش کر دیتا ہے اور افلاطون کی مثالی ریاست جس کو وہ آسمانی نمونہ قرار دیتا ہے یہ گستاخی قابل قبول نہیں ہے۔ انھی تحفظات کی بنا پر وہ شاعر پر کچھ بنیادی پابندیاں عائد کرتا ہے جن کی

تفصیل کچھ یوں ہے:

''اگر کوئی شاعر کسی پریشانی یا آفت کا ذکر کرے تو اُسے یہ اجازت نہ دی جائے کہ وہ اُن پریشانیوں کو خدا سے منسوب کرے یا اگر وہ انہیں خدا سے منسوب کرے بھی تو کسی طرح یہ بھی سمجھائے کہ خدا نے جو کچھ کیا وہ حق ہے، انصاف ہے اور وہ لوگ اس سزا سے بہتر انسان بن گئے ہیں۔ اس بات کو سختی سے منع کیا جائے کہ خدا کسی طرح بھی شر کا باعث ہے۔ ایک منظم جمہوریہ میں یہ بات نہ گائی جائے اور نہ نظم کی جائے، ایسا بہتان خودکشی، بربادی اور بدکاری کا باعث ہوگا۔''(۳)

بنیادی مذہبی عقائد سے تصادم افلاطون کو کسی طور بھی گوارا نہیں ہے اگر چہ وہ شاعری کی اثر آفرینی کا دل سے قائل ہے لیکن شعرا کی جذباتی سرکشی کے خلاف ہے۔ اس کے خیال میں شاعر آسمانی وجدان کی بدولت مجنوں ہو کر اس طاقتور ذریعۂ اظہار کو اپنے جوش اور جذبے کی بے راہ روی اور بغاوت کے باعث غلط استعمال کرتا ہے۔ لہٰذا وہ ''خیال'' تک رسائی حاصل کرنے کے بجائے حقیقت سے دو درجے دور جا گرتا ہے اور گمراہی کا سبب بنتا ہے۔ ویسے بھی افلاطون کے نزدیک عالم امکان ''نقل کی نقل'' ہے اور شاعر تیسرے درجے کی نقل کرتا ہے گویا مصوری کی طرح وہ عکس کی پوجا کرتا ہے۔ افلاطون کے خیالات نے اسے خود متنازعہ بنا دیا ہے اور وہ بعض اوقات فکری تضاد کا شکار ہو جاتا ہے بقول ڈاکٹر جمیل جالبی:

''افلاطون کی یہ ساری بحث تضاد کا شکار ہے۔ یہ ایک معمہ ہے، وہ دل سے شاعر کو چاہتا ہے، اس کی اہمیت وحیثیت سے باخبر ہے مگر قانون واخلاق کے نقطۂ نظر سے وہ اپنی جمہوریہ سے نکال دیتا ہے۔ یہاں اصول اس کی ذاتی پسند پر غالب آجاتے ہیں۔ یہ کشمکش اُس کے اندر باہر بار بار سر اُٹھاتی ہے اور جب ہم مکالمات کے ''قانون'' والے حصے پڑھتے ہیں تو وہ پھر سے شاعروں کو رعایت دینے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔''(۴)

حقیقت یہ ہے کہ افلاطون تاثیرِ شعر کا تو قائل ہے لیکن شعرا کے اخلاقی اور مذہبی عقائد پر نکتہ چینی اور تنقید کے خلاف ہے۔ شاعر بے شک معلم اخلاق نہ سہی لیکن ایک پیغامبر ضرور ہوتا ہے اور اس کے منصب کا تقاضا ہے کہ وہ تہذیبی، تمدنی، اخلاقی اور انسانی اقدار کو اپنے فکری اظہار کا موضوع بنائے اور عالمگیر اخلاقی رویوں کو نہ صرف متشکل کرے بلکہ ان کے فروغ کے لیے بھی کوشاں رہے۔ بقول ڈاکٹر ابواللیث صدیقی:

''شاعر معلمِ اخلاق نہیں ہوتا لیکن کوکا پنڈت بھی ہونا اسے زیب نہیں دیتا، شاعری کا اخلاقی لب ولہجہ بلند ہو تو اس میں بلندی، آفاقیت اور عظمت سے پیدا ہو جاتی ہے۔''(۵)

ادب واخلاق میں حسنِ توازن اور حسنِ ترتیب ہی اصل میں بنیادی مسئلہ ہے، بے شک اخلاق کی اصلاح

قابلِ تحسین عمل ہے لیکن نعرہ بازی کی تخلیقی ادب میں بہت کم گنجائش ہے۔ یوں دیکھا جائے تو اخلاقیات وجمالیات کی ہم آہنگی ہی سے ادبِ عالیہ کی تخلیق ممکن ہوسکتی ہے۔افراط وتفریط دونوں پہلوؤں سے ادب کے مقام ومرتبہ کو زک پہنچتی ہے۔اس باب میں مولانا الطاف حسین حالی رقم طراز ہیں:

''شعراگر چہ براہ راست علم اخلاق کی تلقین اور تربیت نہیں کرتا لیکن از روئے انصاف اس کو علم اخلاق کا نائب مناب اور قائم مقام کہہ سکتے ہیں۔''(۶)

ادب چونکہ اپنے معاشرے کا عکاس ہوتا ہے اس لیے اس میں معاشرتی رسوم ورواج، اقدار وروایات اور تہذیبی وفکری تشکیلات کا فنکارانہ اظہار لازمی شرط ہے۔ معاشرتی تنوع اور سماجی اختلاف ادب واخلاق دونوں کو متاثر کرتا ہے۔اس لیے جہاں ہر معاشرے میں جزوی اخلاقی اختلافات موجود ہیں وہاں بعض مشترک اخلاقی اقدار بھی پائی جاتی ہیں جو دوامی اور عالم گیر حیثیت کی حامل ہوتی ہیں۔ان اقدار وروایات کی موجودگی ہی کسی ادب کو آفاقیت عطا کرتی ہے اور وہ عالم گیر معاشرے میں قدر ومنزلت کے مقام پر فائز ہوتا ہے۔ڈاکٹر گیان چند کے مطابق:

''مختلف معاشروں اور مختلف ادوار کے اخلاق میں یقیناً فرق رہا ہے لیکن اس اختلاف کے نیچے ایک قدرِ مشترک بھی ملتی ہے۔اختلافات مختلف معاشروں کے اخلاق کی مخصوص عارضی قدروں کی ترجمانی کرتے ہیں اور مشترک حصہ آفاقی اور دوامی قدروں کا نمائندہ ہے۔یہ زمان ومکان کی تبدیلیوں کا تابع نہیں۔اس قسم کی چند قدریں یہ ہیں: سچ بولو، بے ایمانی نہ کرو، دوسروں کو دھوکا نہ دو، چوری نہ کرو، زنا نہ کرو، دوسروں کو نقصان پہنچا کر اپنا فائدہ نہ کرو۔وغیرہ''(۷)

جہاں تک ان مستقل اور دائمی اقدار کا تعلق ہے ادب انھی اقدار کو عام کرنے اور رواج دینے کی کوشش کرتا ہے۔اس طرح ادب بنیادی انسانی خواہشات، اخلاقی معیارات اور صالح اقدار کے فروغ کا سبب بنتا ہے لیکن یہاں اس بات کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ اخلاقی اقدار وروایات کا ادبی اظہار ایک جمالیاتی سرگرمی کا تقاضا کرتا ہے۔ورنہ ایک واعظ کے بیان اور شاعرانہ خیال میں بہت کم فرق رہ جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ شعریت اور جمالیاتی حسیّت کے بغیر کوئی خیال محض تبلیغ بن کر رہ جاتا ہے اور اس کا ادبی مقام پست ہوجاتا ہے۔بے شک اخلاقیات وحیات میں ناقابلِ تردید تعلق ہے جیسا کہ عبدالقادر سروری کہتے ہیں:

''اخلاق سے بغاوت درحقیقت حیات سے بغاوت ہے جو شاعری اخلاق کو پیشِ نظر نہیں رکھتی اِس میں حیات کا بھی لحاظ نہیں ہوسکتا۔۔۔لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ شاعر کو

کسی خاص اخلاقی نکتہ کو پیشِ نظر رکھ کر شعر کہنا چاہیے۔واعظ اور شاعر میں بہت بڑا فرق ہے۔اُس کا مقصد تلقین اور رہبری ہے اور اس کا کام جذبات کی تولید سے انسان کے اخلاقی پہلو کو سنوارنا۔ ہر ادبی کارنامہ جو اصول اخلاق کو قصداً سامنے رکھ کر سرانجام دیا جائے، وہ بہت ادنیٰ درجے کا سمجھا جاتا ہے۔"(۸)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ مقصدیت اور شعریت کی آمیزش ہی شعر کی خوبی شمار ہوتی ہے اور اخلاق آموزی کے لیے ادب سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ حواس انسانی کو متاثر کرتا ہے اور جذبہ و خیال کے سنگم پر انسانی احساسات اور اذہان پر اپنے اثرات مرتسم کرتا ہے۔امداد امام اثر کا کہنا مبنی بر حقیقت ہے:

"لاریب شاعری بہترین ذریعہ اخلاق آموزی کا ہے۔بغیر سچی شاعری کے انسان کے قویٰ اخلاقیہ ترقی نہیں کرسکتے۔شاعری میں فلسفۂ اخلاق ہے۔"(۹)

ادب اور اخلاق میں قطعاً بُعد نہیں ہے لیکن ادب جس جمالیاتی اظہار کا متقاضی ہے وہ علامتوں، تلازموں اور استعاروں کی زبان میں بات کرنے پر زور دیتا ہے اور سپاٹ بیانیے، نعرہ بازی اور کسی مبنی فسٹو (Menifesto) کے تحت ادب تخلیق کرنے کو اچھا تصور نہیں کرتا۔اس ضمن میں ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں:

"میرے نزدیک ادب اور اخلاقیات کی آمیزش میں کوئی امر مانع نہیں ہے مگر شرط یہ ہے کہ آمیزش حکمت کے اصولوں کے تحت ہو۔۔۔اخلاقیات کو ادب کے شانوں پر سوار کرنے کا رجحان یا ادب کو اخلاقیات سے یکسر بے نیاز کردینے کی روش۔۔۔یہ دونوں انتہا پسندانہ رویے ہیں۔"(۱۰)

ان دونوں انتہا پسندانہ رویوں میں اعتدال اور توازن ضروری ہے کیونکہ ادیب بنیادی طور پر ایک پیامبر ہوتا ہے اور اس کا کام جذبے کو مشتعل کرنے کے بجائے اس کی تہذیب کرنا ہوتا ہے، یوں وہ جمالیاتی تسکین سے روحانی تسکین اور ذہنی آسودگی کا مقصد پورا کرتا ہے۔ جمالیاتی اور اخلاقی اقدار کے ملاپ سے وہ شاعری جنم لیتی ہے جو شاعر کو اقبال کے الفاظ میں "دیدۂ بینائے قوم" کا مقام عطا کرتی ہے لیکن بنیادی شرط یہی ہے کہ دونوں میں ترتیب، توازن اور اعتدال کو برقرار رکھا جائے۔ادب کو اخلاق کی آمیزش سے اس قدر بوجھل نہ کیا جائے کہ وہ واعظ کا بیان بن جائے اور اخلاق کو اس قدر پس پشت نہ ڈالا جائے کہ ادب شتر بے مہار کی طرح فحاشی اور سستی جذباتیت کا ملغوبہ بن جائے۔ بقول سیّد احتشام حسین:

"ادب اور اخلاق دونوں کا مقصد یہی ہے کہ ایک ایسے نظامِ زندگی کی بنیاد ڈالی جائے، جس میں گندگی نہ ہو، فحاشی نہ ہو، حسد نہ ہو، نفرت نہ ہو، ایسا نظام نظریہ اور عمل کے اتحاد سے قائم ہوسکتا ہے اور بہت سے ادیب آج اسی قیام کے متمنی ہیں۔"(۱۱)

فلسفۂ اخلاق اورادب میں ہر اعتبار سے گہرا تعلق پایا جاتا ہے کیونکہ جس طرح فلسفۂ اخلاق کا ایک بڑا مقصد ''بڑی سے بڑی تعداد افراد کو بڑی سے بڑی مسرت۔''(۱۲) عطا کرنا ہوتا ہے اسی طرح ادب کا بھی غالب رجحان یہی ہوتا ہے۔ یوں اخلاقیات، جمالیات اور دیگر روایتی اقدار آپس میں مطابقت رکھتی ہیں کیونکہ اِن تینوں کا بنیادی رشتہ اقدار سے استوار ہوتا ہے اور رچرڈ ڈایم حیئر کے مطابق:

''فن کار کے لیے جمالیاتی اقدار جو اخلاقیاتی اقدار کا جزو ہیں، ان سے سروکار رکھنا لازمی ہے۔''(۱۳)

اس اعتبار سے یہ کہنا بے محل نہیں کہ فلسفۂ اخلاق کا ادبی و تخلیقی اظہار ادبیاتِ عالم میں خصوصی توجہ کا حامل ہے اور دنیا میں مزاجوں، رویوں اور زبانوں کے اختلافات کے باوجود ادب میں اعلیٰ انسانی اور اخلاقی اقدار کی ترویج و پیشکش پر خاص زور دیا گیا ہے۔

☆☆☆☆☆

## حوالے


(۱) ڈاکٹر اعجاز حسین ۔مذہب و شاعری، کراچی: اُردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۵۵ء، ص ۱۴

(۲) ڈاکٹر سجاد باقر رضوی۔مغرب کے تنقیدی اصول، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، اشاعت سوم، ۲۰۰۲ء، ص ۲۴۱

(۳) افلاطون بحوالہ ارسطو سے ایلیٹ تک، ڈاکٹر جمیل جالبی، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۰۳ء، ص ۲۱

(۴) ڈاکٹر جمیل جالبی ۔ص ۲۳ ۔۲۱

(۵) ڈاکٹر ابواللیث صدیقی ۔تجربے اور روایت، کراچی: اُردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۵۹ء، ص ۱۳۷

(۶) الطاف حسین حالی، مولانا ۔مقدمہ شعر و شاعری، لاہور: کشمیر کتاب گھر، ۱۹۷۴ء، ص ۳۰

(۷) ڈاکٹر گیان چند ۔ادب اور اخلاق مشمولہ ماہِ نو (چالیس سالہ مخزن) جلد اوّل، اگست ۱۹۸۷ء، ص ۱۰۴

(۸) عبدالقادر سروری ۔جدید اُردو شاعری، لاہور: کتاب منزل ۱۹۴۶ء، ص ۲۰

(۹) امداد امام اثر ۔کاشف الحقائق مرتبہ، ڈاکٹر وہاب اشرفی، نئی دہلی: ترقی اُردو بیورو، ۱۹۸۲ء، ص ۱۰۰

(۱۰) ڈاکٹر وزیر آغا ۔ادب اور اخلاقیات مشمولہ ڈاکٹر وزیر آغا کے تنقیدی مضامین، مرتبہ: سیّد سجاد نقوی، لاہور، مکتبہ عالیہ ۱۹۹۵ء، ص ۳۰ ۔۲۲۹

(۱۱) سیّد احتشام حسین ۔ادب اور اخلاق مشمولہ تنقیدی جائزے، لکھنؤ: احباب پبلشرز، اشاعت سوم، ۱۹۵۶ء، ص ۶۵

(۱۲) ایڈورڈ ہارٹ پول لیکی ۔تاریخِ اخلاقِ یورپ، مترجم عبدالماجد (دریا آبادی) ناشر ندارد، ۱۹۱۷ء، ص ۴

(۱۳) رچرڈ ایم حیئر ۔مضامین جمالیات، فاخر حسین، لاہور: نگارشات، ۱۹۸۸ء، ص ۲۴